پیر سائیں روزہ دھنی کی شخصیت و خدمات ۔ ملفوظات شریف کی روشنی میں

مجیب احمد*

Sindh is a province which is rich in history and culture. After June 712, when a small Muslim Society established in Sindh, Islam became a most important component of the Sindhi Culture. Ulema and pirs, who are integral part of a Muslim Culture, also played a prominent role in the dissemination of Islam in Sindh.

There are many World famous ulema and pirs who contributed their due role in the establishment and consolidation of the Muslim Society in the province. The Pir Pagaro Family is one of the most important families, as this family, since the second quarter of the 18th century is serving the cause of Islam. Sayyid Muhammad Rashid Shah (May 1758 - May 1819) commonly known as Ruzah Dhani, after becoming sajjadahnashin of his father, Sayyid Muhammad Baqa Shah (1723-83) gave impetus to his family's religious and spiritual traditions.

In this paper, an attempt has been made to highlight the life and works of Pir Ruzah Dhani and his sayings about the Shari'at and Tariqat. The English, Sindhi and Urdu sources has been used for this study.

سندھو یا سنتوس دریا سے منسوب، سندھ اپنی قدیم تہذیب و تمدن کے حوالہ سے عالمی سطح پر الگ شناخت رکھتا ہے۔ زریں سندھ اور وادیٔ نیل کی مماثلت کی وجہ سے انگریز سیاح اس کو Young Egypt کہتے تھے۔[1] موہنجوڈارو اور ہڑپہ کی ریاست اور تہذیب بھی اسی علاقہ میں پروان

---

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبۂ تاریخ و مطالعہ پاکستان، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

چڑھی اور آج یہ عالمِ انسانیت کا مشترکہ ورثہ سمجھی جاتی ہے۔

اگرچہ عرب کا سندھ سے رابطہ زمانہ قدیم سے رہا ہے تاہم اس خطہ ارض سے مسلمانوں کے تعلقات حضرت عمر فاروقؓ (م-۶۴۴ء) کے دورِ خلافت (۶۳۴ء-۶۴۴ء) میں قائم ہوئے۔ جن میں اکثر کی نوعیت جنگی یا تجارتی تھی۔[۲] جون ۷۱۲ء میں محمد بن القاسم الثقفی (۶۹۳ء - ۷۱۵ء) کی سندھ آمد کے بعد، یہاں اسلام اور اسلامی فکر بحیثیت ایک نظام حیات کے طور پر متعارف ہوئی۔ محمد بن القاسم مکران کے راستہ سے الدیبل آیا اور یہاں اپنے چار سالہ قیام کے دوران، علاوہ بعض انتظامی و مالیاتی معاملات کے، پہلی مسجد بھی قائم کی۔[۳] محمد بن القاسم کے بعد سندھ تقریباً ڈیڑھ سو سال تک بنو امیہ اور بنو عباس کے زیرِ انتظام رہا۔

سندھ میں مسلمانوں کی آمد اور قیام کے بعد، یہاں بولی جانے والی سندھی زبان اور اس کے مختلف لہجوں میں عربی الفاظ و تراکیب اور بعد ازاں فارسی زبان و ادب کے کافی اثرات مرتب ہوئے۔ سندھ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں کے باشندوں کی کثیر تعداد نے نہ صرف بتدریج اسلام قبول کیا بلکہ اس کی ہمہ جہت خدمت و اشاعت بھی کی۔ ایک روایت کے مطابق، قرآن مجید کا پہلا ترجمہ سندھی زبان میں ہوا۔[۴]

سندھ میں تصوف کو متعارف کرانے کا سہرا سلسلہ سہروردیہ کے صوفیائے کرام اور بزرگوں کے سر ہے۔[۵] ٹھٹھہ کے قریب مکلی کا قبرستان، شاید دنیا کا واحد قبرستان ہے، جہاں ان گنت صوفیاء، علماء اور دیگر اصحاب علم و فن مدفون ہیں۔ مکلی کے علاوہ سندھ کا شاید ہی کوئی ایسا گوٹھ یا شہر ہو جہاں کسی نہ کسی بزرگ نے درگاہ، مسجد یا مدرسہ قائم کر کے، اسلامی علوم و فنون اور رُشد و ہدایت کے دریا جاری نہ کیے ہوں۔ ان اکابرین میں سے جو زیادہ مشہور ہوئے ان میں مخدوم سید محمد عثمان مروندی المعروف لال شہباز قلندر (۱۱۷۷ء - ۱۲۷۴/۷۵ء)، سندھ کے حلاج شاہ عنایت اللہ شہید (۱۶۵۵ء-۱۷۱۸ء)، شاہ عبداللطیف بھٹائی قادری (۱۶۹۱/۹۲ء-۱۷۵۲ء)، عبدالوہاب قادری المعروف بہ سچل سر مست (۱۷۳۹ء-۱۸۲۷ء) کے نام نمایاں ہیں۔ تاہم جو عقیدت و محبت، روحانی و سیاسی اہمیت اورعوام الناس پر اثر و رسوخ خاندان راشدیہ کو حاصل ہوا وہ شاید ہی سندھ کے کسی دوسرے خانوادہ کو حاصل ہوا ہو۔ خاندانِ راشدیہ کا فیض نہ صرف سندھ بلکہ پاکستان اور بیرون پاکستان بھی ہنوز جاری ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی جنوبی ایشیا میں مسلم تاریخ، ثقافت اور معاشرہ کی تشکیل کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس صدی میں روایت کی جگہ جدت اور مفاہمت کی جگہ مزاحمت کے نظریات فروغ پاتے رہے، جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اس صدی کی علمی و فکری اہمیت کے باوجود، اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ یہ صدی مسلمانوں کے عہد زوال کی یادگار ہے۔ تاہم بعض اہل علم اسے صرف سیاسی زوال تک ہی محدود رکھتے ہیں۔[٦] اس عہد میں کئی نامور مسلم شخصیات کے کارہائے نمایاں سامنے آئے لیکن ان میں سے اکثر کا تعلق، دارالحکومت دہلی کی اشرافیہ سے تھا۔ نیز ان کا دائرہ عمل و اثر بھی محدود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان شخصیات کے علم و فن کے اثرات نچلی سطح تک نہیں پہنچ سکے، کیونکہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت اپنے اپنے علاقوں میں موجود اُنہی علماء و صوفیاء کے ہی عقیدت مند اور پیروکار رہے، جو ان کی دسترس میں تھے۔

جنوبی ایشیا کے دیگر علاقوں کی طرح سندھ میں بھی اسلام کی آمد کے بعد، مسلمانوں اور مقامی آبادی، جن میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، کے درمیان باہمی تعلقات مد و جزر کا شکار رہے۔ محمد بن القاسم نے ہندوؤں کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کیا اور انہیں ذمیوں کا درجہ دیا۔[٧] ہندوؤں اور مسلمانوں کے فکری، سماجی اور معاشرتی تضادات کے باوجود، ان دونوں اقوام نے عمومی طور پر باہمی رواداری اور برداشت کے جذبہ کو فروغ دیا اور ایک دوسرے کے تہذیبی و تمدنی اثرات کو قبول بھی کیا۔[٨]

اہل تصوف، خصوصاً چشتی اور قادری سلاسل کے بزرگ، مسلمانوں اور ہندوؤں میں کم از کم ریاستی امور کے حوالہ سے کسی قسم کی تفریق کرنے کے قائل نہ تھے۔ سندھ کے مخصوص سیاسی و سماجی حالات کے تحت، قادری سلسلہ کے اکابرین نے یہاں انسان دوستی کا علم بلند کیا اور گروہ بندیوں سے ماوراء ہو کر، اخلاقی پاکیزگی اور فرد کے روحانی امکانات کو بروئے کار لانے کی دعوت دی۔[٩] محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ء-۱۲۴۰ء) کے وحدت الوجودی نظریات، جنوبی ایشیا میں اگرچہ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی (۱۱۷۰ء-۱۲۶۷ء) کے خلیفہ اور داماد فخر الدین ابراہیم عراقی (۱۲۱۳ء-۱۲۸۹ء) کے توسط سے متعارف ہوئے، تاہم سندھ میں اس نظریہ کو قادری سلسلہ کے بزرگوں نے فروغ دیا۔ اگرچہ اکثر اکابرینِ امت وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو ایک ہی سمجھتے تھے کہ دونوں کا مقصدِ وحید دل کو ماسوا

اللہ سے خالی کرنا ہے، تاہم وحدت الوجود کی ما بعد الطبیعات کی نشر و اشاعت بعض علماء و صوفیاء کو قابل قبول نہ تھی، جس کا ردِعمل ہونا لازمی امر تھا۔

۸۵۵ء میں بنو عباس کے زوال کے بعد، مارچ ۱۸۴۳ء تک، جب انگریز سندھ پر قابض ہو گئے، یہاں پر کئی خاندان حکومت کرتے رہے۔ان میں سومرہ، سمّہ، ارغون اور ترخان نمایاں ہیں۔ محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر (۱۶۱۸ء-۱۷۰۷ء) کی وفات کے بعد، مغلیہ حکومت روبہ زوال ہوئی تو سندھ کے کلہوڑہ خاندان نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، ۱۷۳۷ء میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان پر میراں سید محمد جون پوری (۱۴۴۳ء-۱۵۰۵ء) کی مہدوی تحریک اور اس کے نظام سویت کے کافی اثرات تھے۔[10] کلہوڑہ خاندان دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ روحانیت میں بھی خاصا شغف رکھتا تھا۔ ان کے عہد میں مقامی سندھی زبان اور علم و ادب نے خوب ترقی کی۔[11]

کلہوڑہ خاندان کی حکومت سے پہلے، ٹھٹھہ سندھ کا سیاسی و انتظامی مرکز تھا۔ اس خاندان نے ٹھٹھہ کی مرکزی حیثیت کو ختم کر کے پہلے خداباد کو اپنا سیاسی و روحانی مرکز بنایا۔ بعد ازاں محمد آباد اور پھر مارچ ۱۷۶۹ء میں آباد ہونے والے نئے شہر، حیدرآباد کو مرکزی حیثیت دے دی۔ کلہوڑہ خاندان کے بعد ٹالپر سندھ کے حکمران بنے۔ انہوں نے انگریز سے کئی معاہدات کیے۔ اگرچہ ۲۶ ستمبر ۱۶۱۳ء کو الدیبل کی بندرگاہ پر پہلا انگریزی جہاز لنگر انداز ہوا اور ۱۶۳۵ء میں ٹھٹھہ میں انگریز نے پہلی تجارتی کوٹھی تعمیر کی، تاہم اہل یورپ کا سندھ سے پہلا رابطہ فروری ۱۵۵۶ء میں اس وقت ہوا، جب ترخان خاندان کے بانی مرزا عیسیٰ (م-۱۵۶۶ء) کے بلانے پر پرتگالی ٹھٹھہ آئے۔[12] سندھ پر انگریز کے سامراجی قبضہ کی وجہ سے ٹالپر حکمران بنے، جن میں سے ایک کی دعوت پر ۱۸۲۴ء میں انگریز یہاں آباد ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ سندھ پر قابض ہو گئے۔[13]

لکیاری سادات سندھ میں اپنی علمی وجاہت وعظمت اور شرافت کے اعتبار سے ممتاز ترین سمجھے جاتے ہیں۔ اس خاندان کے جد امجد امام سید علی شاہ مکی تھے۔ جو دسویں یا گیارہویں صدی عیسوی میں عراق سے ہجرت کر کے تبلیغ دین کے لیے سندھ آئے تھے۔ پیر سائیں روزہ دھنی اسی لکیاری خاندان کے ایک گلِ سرسید ہیں۔

سید محمد راشد شاہ المعروف روزہ دھنی (مئی ۱۷۵۸ء-مئی ۱۸۱۹ء) کو نقشبندی اور قادری سلاسل کا

فیض اپنے والد محترم سید محمد بقا شاہ شہید (۱۷۲۳ء-۱۷۸۳ء) سے حاصل تھا جبکہ علومِ دینیہ کی تکمیل اپنے عہد کے ممتاز سندھی علماء و فضلا سے کی۔[۱۴] ۵ دسمبر ۱۷۸۳ء کو اپنے والد محترم کی شہادت کے بعد، پیر سائیں سجادہ نشین ہوئے اور تادمِ واپس، عوام الناس کی دینی و روحانی تعلیم و تربیت کرتے رہے۔

پیر سائیں روزہ دھنی کا عہد کلہوڑہ خاندان کے زوال اور ٹالپر خاندان کے عروج کا عہد تھا۔ اس عہد میں سندھ کے اہل تصوف میں بعض ہندوانہ رسوم و رواج کو فروغ حاصل ہو رہا تھا اور بدعات اور غیر شرعی اعمال، مسلم معاشرہ کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ مزید برآں اہل ظاہر معرفت حقیقی سے نا آشنا تھے۔ پیر سائیں اگرچہ نقشبندی نسبت بھی رکھتے تھے تاہم آپ نے قادری سلسلہ کو زیادہ فروغ دیا۔ اگرچہ قادری سلسلہ نے سندھ میں باہمی رواداری اور انسان دوستی کا پرچار کیا، تاہم پیر سائیں نے کبھی بھی اس رواداری اور انسان دوستی کو شریعتِ مطاہرہ کے دائرہ سے باہر جانے نہیں دیا۔

پیر سائیں روزہ دھنی نے اپنی پیدائش سے وفات تک، ساری زندگی اتباع شریعت میں بسر کی۔ آپ نے اپنی تعلیم و تربیت سے بے عمل صوفیاء اور ظاہر بیں علماء کی شرعی تربیت کی۔ آپ لوگوں سے بیعت لیتے وقت اتباع سنت اور ہر قسم کی برائی سے بچنے کی تاکید کرتے تھے۔ آپ کی محافل میں ہندو بھی آتے تھے۔ کئی غیر مسلموں نے از خود آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔[۱۵] آپ وقت کے حکمرانوں کے اچھے کاموں کی قدر کرتے اور غلط کاموں پر انہیں بر وقت متنبہ کرتے تھے۔ آپ کے تبلیغی و تربیتی کارناموں کے اثرات سندھ کے علاوہ پنجاب، بلوچستان، راجستھان، افغانستان اور ایران تک موجود ہیں۔ آپ کے مریدین، جن کو فقراء کہا جاتا ہے، کی تعداد کا کوئی شمار نہیں۔ جبکہ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے خلفاء کی تعداد گیارہ سو کے قریب تھی۔[۱۶] آپ اپنے ہر ایک مرید کی روحانی تربیت اور حالت سے بخوبی آگاہ ہوتے تھے۔ آپ نے اصلاح اور لوگوں کی خدمت کے لیے کثرت سے تبلیغی دورے بھی کیے۔

پیر سائیں روزہ دھنی نے درس و تدریس، ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعے بھی اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کی۔ آپ نے اپنے فقراء و دیگر متعلقین کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مدرسہ کی ابتداء کی، جو آج جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، خیر پور کی صورت میں آپ کی علمی یادگار ہے۔ جامعہ راشدیہ کی سندھ بھر میں ستر سے زائد شاخیں قائم ہیں اور یہاں کے فیض یافتہ

ہزاروں علماء، دین کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔

پیر سائیں روزہ دھنی نے تصنیف و تالیف کے تقریباً تمام ہی شعبوں مثلاً نظم و نثر اور مکتوبات میں کئی گراں قدر آثار علمیہ یادگار چھوڑے ہیں۔ ان میں فارسی لغت *الجامع الجوامع*، فارسی میں *شرح اسماءِ الحسنیٰ* اور *آداب المریدین* نمایاں ہیں۔ *شرح اسماءِ الحسنیٰ* میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کے ساتھ انسان کے تعلقِ تخلق و تعبد کو بیان کیا ہے۔ جبکہ *آداب المریدین* میں آپ نے مریدین کے لیے اپنے مرشد کے ہاں حاضری کے آداب بیان کیے ہیں۔

پیر سائیں روزہ دھنی کے مواعظ حسنہ، اقوال و ارشادات اور افادات کو آپ کے دو اُجل خلفاء نے فارسی میں مرتب کیا۔ خلیفہ فقیر محمود نظامانی (۱۷۷۵ء-۱۸۵۱ء) نے آپ کے فارسی افادات کو *محبوبیۃ المحمودیۃ* کے نام سے تحریر کیے۔ قاضی فتح الرسول نظامانی نے اس کا سندھی ترجمہ کیا، جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ *محبوبیۃ المحمودیۃ* میں پیر سائیں نے طریقت کے بیس مقامات و درجات کو بیان کیا ہے۔[۱۷]

خلیفہ فقیر محمود نظامانی کے مرتب کردہ، پیر سائیں روزہ دھنی کے ملفوظات کی پہلی جلد کو سندھی زبان میں مفتی محمد قاسم مشوری (۱۸۹۸ء-۱۹۹۰ء) نے ترجمہ کیا جبکہ دوسری جلد کا سندھی میں ترجمہ دُر محمد سکندری (۱۹۳۹ء-۲۰۰۱ء) نے کیا۔ یہ دونوں جلدیں *مجمع الفیوضات* کے نام سے شائع شدہ ہیں۔[۱۸] پیر سائیں کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ خلیفہ محمد حسین مھیسر کا مرتب کردہ ہے۔ *صحبت نامون* کے نام سے مرتب شدہ یہ مجموعہ، *ملفوظاتِ صغیر* کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس مجموعہ کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق، اس کو پیر سائیں نے خود سماعت کیا تھا۔ *صحبت نامون* کا سندھی ترجمہ مفتی عبدالرحیم سکندری نے کیا جبکہ اس سندھی ترجمہ کی تلخیص اور اردو ترجمہ، حکیم ابوالحسان محمد رمضان علی قادری (۱۹۲۲ء - ۲۰۰۷ء) نے کیا، جو ۲۰۱۳ء میں *مخزنِ فیضان* کے نام سے شائع ہوا۔[۱۹]

اہل تصوف کے ہاں مکتوبات اور ملفوظات کی بہت اہمیت ہے۔ بزرگوں کے اقوال زریں اور نیکی کی ترغیب کے علاوہ، ملفوظات کے ذریعے اس وقت کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی تاریخ سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ جنوبی ایشیا میں مرتب ہونے والے ملفوظاتی ادب میں خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاء (۱۲۳۶ء-۱۳۲۵ء) کے ملفوظات اپنی نوعیت کے لحاظ سے اولین ہیں۔[۲۰] خواجہ نظام الدین اولیاء کے مجموعہ ہائے ملفوظات میں سے *فوائد الفواد* اور *افضل الفوائد* کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

پیر سائیں روزہ دھنی کے ملفوظات کے اولیں مخاطب اگرچہ آپ کے فقراء ہی ہوتے تھے تاہم یہ ملفوظات دوسرے طالبانِ حقیقت کے لیے بھی مفید ہیں۔ ان ملفوظات میں جا بجا قرآن مجید، احادیث نبوی اور آثارِ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحین کے اقوال ملتے ہیں۔ آپ اپنے مواعظ میں مختلف تمثیلات اورامثال بھی بیان کرتے ہیں تا کہ مخاطبین کو بات مکمل طور پر سمجھ میں آ جائے۔

پیر سائیں روزہ دھنی اپنے مکتوبات اور ملفوظات کے ذریعے اپنے فقراء کی روحانی تعلیم و تربیت بھی کرتے تھے۔ ملفوظات کی اہمیت و برکت کو بیان کرتے ہوئے، آپ نے ایک مقام پر بیان کیا کہ اگر کسی کو اپنے مرشد کی صحبت اور حضوری حاصل نہ ہو سکے تو پھر وہ دو اڑھائی گھنٹے روزانہ اپنے مرشد کے ملفوظات پڑھتا یا سنتا رہے۔ آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ مرید کی روز بروز حاضری سے اس کے دل میں ایک تِل برابر صفائی ہوتی رہے گی اور ایک تِل برابر سیاہی اس کے دل پر سے اترتی جائے گی۔ تاہم ملفوظات کے روزانہ پڑھنے اور سننے والے کے دل پر تِل برابر سیاسی بھی قائم نہ رہے گی۔ کیونکہ دل کی صفائی کے لیے صحبت مرشد ضروری ہے۔۲۱

پیر سائیں روزہ دھنی اپنے نئے فقراء کے لیے مرشد سے مضبوط تعلق رکھنے کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ آپ ان کو اپنے دل زندہ رکھنے کا شوق بھی دلاتے تھے۔ اس کے لیے آپ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کی کثرت کی تلقین کرتے اور کہا کرتے تھے کہ جس نے ذکر چھوڑ دیا وہ ہمارا نہیں۔۲۲ آپ جہاں مرید کو ذکر وفکر اور رابطۂ مرشد کی تلقین کرتے ہیں وہیں آپ مرشد کے لیے بھی یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ جس شغل میں اپنے مرید کو مشغول کرے تو خود بھی اس شغل کا تکرار کرے کہ اس کے باعث مرید کو اس شغل میں ترقی اور زیادتی حاصل ہو گی۔ پیر سائیں مرشد کے لیے ہر آٹھواں دن گزرنے کے بعد لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ جملہ اشغال کا دورہ کیا کرے کہ اس طرح کرنے سے جو مرید جس شغل میں بھی ہو گا اس کو ترقی نصیب ہو گی۔۲۳

مرشد و مرید کے باہمی تعلق کو پیر سائیں ایک موقعہ پر یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر مرید مرشد کو کامل سمجھے گا تو خود بھی کامل ہو جائے گا اور اگر مرشد کو مربی سمجھے گا تو خود بھی مربی بن جائے گا۔ جیسا اعتقاد مرشد سے رکھے گا، مرید بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ تاہم اس موقعہ پر پیر سائیں تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ اعتقاد مرید اپنے دل میں ہی رکھے، زبان پر نہ لائے اور شریعت کی حد سے نہ

گزرے۔۲۴ اسی طرح ایک اور قول آپ سے منسوب ہے کہ اعتقاد و یقین کے بغیر حصول فیض ناممکن ہے، بے شک مرید ذکر و فکر اور عبادت میں مضبوط ہو۔۲۵ آپ نے ایک روایت کے ذریعے یقین و اعتقاد کی اہمیت اس طرح واضح کی کہ ایک بادشاہ کو کسی ولی کامل کی تلاش ہوئی۔ ایک دن وہ اجاڑ بیابان میں جا نکلا تو ایک شخص کو دیکھا، جو اصل میں چور تھا اور چوری کا سامان اٹھائے جا رہا تھا۔ اس نے جب بادشاہ کو دیکھا تو اس نے سامان نیچے رکھ دیا اور خود قبلہ رو ہو کر گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ یہ شخص ضرور کوئی ولی کامل ہے۔ بادشاہ اس کے قریب گیا اور ادب سے کہا کہ حضرت مجھے راہِ حق کی تلقین کریں۔ اس شخص نے کہا کہ اپنے ہتھیار اور دیگر سامان ایک طرف رکھ دے اور بادشاہ کے گرد زمین پر لکیر کھینچی اور کہا کہ یہیں بیٹھا رہ، تین روز بعد آکر تجھے تلقین کروں گا۔ بادشاہ پختہ یقین کے ساتھ تین روز تک بیٹھا رہا۔ اس دوران اس چور نے بادشاہ کا سامان اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو بادشاہ کے پاس جا کر راہِ حقیقت کی تلقین کرنے کو کہا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اگرچہ بادشاہ کو اس شخص کی اصلیت سے آگاہ بھی کر دیا، اس کے باوجود بادشاہ نے کہا کہ میں اسی سے فیض حاصل کروں گا۔ بادشاہ کا یقین و اعتماد دیکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اس چور کو تلقین کریں اور ولی کامل بنا دیں، وہ پھر بعد میں خود ہی بادشاہ کو تلقین کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بادشاہ اپنے سچے اعتقاد اور پختہ یقین کی بدولت ایک چور کے ذریعے راہِ ہدایت پا گیا۔۲۶

یقین و اعتقاد کے علاوہ، پیر سائیں روزہ دھنی، فیض باطنی کے حصول کے لیے ادب کو بھی نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔ آپ سادات کرام اور اپنے مرشد کی اولاد کا ادب کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ تاہم آپ نے اپنا اور اپنی اولاد کا ادب اپنے مریدوں کو بخش دیا تھا۔۲۷ مزید برآں آپ کے نزدیک جو کسی بھی بزرگ کی شکایت کرتا ہے تو گویا اس نے اپنے مرشد کی ہی شکایت کی۔ اسی لیے آپ اپنے فقراء کو دوسرے طریقوں کے اکابرین کا بھی ادب کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ آپ کے نزدیک بے ادبی بدنصیبی کی بڑی دلیل ہے۔۲۸

پیر سائیں روزہ دھنی اپنے فقراء کے لیے نفس پر قابو رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ آپ نے ایک مثال کے ذریعے نفس امّارہ کی چالاکی اور مکر و فریب کو اس طرح بیان کیا کہ ایک گیدڑ نے

ایک شیر کو کیچڑ میں پھنسے ہوئے بیل کے شکار کے لیے اپنی چالاکی سے مائل کر لیا۔ جب شیر اس بیل کے شکار کے لیے حملہ آور ہوا تو وہ خود بھی کیچڑ میں پھنس گیا۔ پیر سائیں نے وضاحت کی کہ گیدڑ سے مراد نفس امّارہ ہے۔ (ایک دوسرے موقعہ پر آپ نے نفس کو ناگ سے تشبیہہ دی۔ ۲۹) شیر سے مقصود طالب ہے کہ جو ابھی خواہشات نفسانی سے پوری طرح آزاد نہیں ہوا اور بیل کی مثال دنیا داروں کی ہے۔ مبتدی طالب، نفس امّارہ کی وجہ سے دنیا کے معاملات میں پھنس جاتا ہے اور بظاہر دنیا میں اگر راحت مل بھی جائے تو آخرت میں بچ نہیں سکے گا۔۳۰

نفس امّارہ کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے پیر سائیں روزہ دھنی طالب کو طلب اللہ میں اپنی کوشش تیز تر کرنے کا کہتے ہیں اور اپنی ہمت، کچھ ملنے یا نہ ملنے سے بلند رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک وصل الی اللہ کے لیے درد ضروری ہے۔۳۱ عشقِ حقیقی کا راستہ عشقِ مجازی سے گزر کر جاتا ہے۔۳۲ پیر سائیں کے نزدیک طالبِ منزل کے لیے آرام کرنا روا نہیں۔۳۳ آپ کے بقول اگر محبت الٰہی سچی ہے تو اس کی اطاعت میں دل لگے گا ورنہ نہیں۔۳۴ سچی محبت الٰہی کے لیے پیر سائیں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور بے چارگی اور صرف اسی کے لیے محبت اور نفرت اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ اس حوالے سے پیر سائیں سیپ میں دُرِ بے بہا کے پیدا ہونے سے وضاحت کرتے ہیں کہ سیپ ہمیشہ پانی میں رہتا ہے۔ جب تک اس میں بارش کے قطرہ کی کشش پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک اس میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اس میں بارش کے قطرہ کی کشش پیدا ہوتی ہے تب وہ سطح سمندر سے نکل کر اوپر آتا ہے۔ بارش کا قطرہ جب اس کے منہ میں پڑ جاتا ہے تو وہ منہ بند کر کے نیچے اتر جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد، اس سیپ میں بے مثال موتی پیدا ہو جاتا ہے۔ پیر سائیں سیپ سے مراد طالب، پانی سے مراد دنیا لیتے ہیں، بارش کے قطرہ سے مراد محبت الٰہی اور کامل مرشد کا رابطہ جبکہ بے بہا موتی کو حصولِ معرفتِ الٰہی قرار دیتے ہیں۔۳۵

پیر سائیں روزہ دھنی، ذکر خفی کی بجائے ذکر جہری کو افضل سمجھتے تھے۔ آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ذکر خفی سے صرف قلب کو راحت ملتی ہے جبکہ ذکر جہری سے قلب کے علاوہ دوسرے اعضاء جسم کو بھی ذوق و شوق کا حصہ پہنچتا ہے۔۳۶

پیر سائیں روزہ دھنی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ آپ سے ایک قول منسوب ہے کہ طالب کو

چاہیے کہ اپنے وجود میں ہمہ اوست دیکھے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ سامنے رکھ کر بیان کیا کہ دیکھو پانچ انگلیاں۔ یہ اللہ کا نام ہے یعنی انگوٹھا 'الف' ہے اور بیچ والی تین انگلیاں دو 'لام' ہیں اور چھوٹی انگلی 'ہ' ہے اور یہی فنا فی اللہ ہے۔ مزید بیان کرتے ہوئے کہا کہ انسان کا سارا وجود اللہ کا نام ہے۔ دایاں بازو 'الف' ہے، بایاں بازو اور دونوں ٹانگیں دو 'لام' ہیں اور سر 'ہ' ہے۔ یہ اسم ذاتی ہے۔[۳۷]

پیر سائیں روزہ دھنی شریعت و طریقت میں کسی قسم کے فرق کرنے کے قائل نہ تھے۔ آپ ظاہری عبادت کو بھی ضروری قرار دیتے تھے۔[۳۸] پیر سائیں مسلکِ اہل سنت و جماعت کو ہی صحیح عقیدہ قرار دیتے تھے اور ساری زندگی اسی کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے۔ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اصل، نورانیت اور معراجِ جسمانی کے قائل تھے۔ آپ شفاعت اور صحابہ کرامؓ کی فضیلت کے بھی قائل تھے۔ آپ تصرفِ اولیاء اللہ، تصورِ شیخ اور زیارتِ قبور کے بھی قائل تھے۔[۳۹]

پیر سائیں روزہ دھنی ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر جتنی خوشی مناتے تھے شاید ہی کسی اور موقع پر مناتے ہوں۔ آپ اکثر بیان کرتے کہ ہماری تمام خوشیوں میں سب سے بڑی خوشی میلادالنبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوشی ہے۔ آپ ۱۲ ربیع الاول کو بہترین کھانا پکواتے اور ہر خاص و عام کو دعوت دیتے، مہمانوں کے ہاتھ خود دھلواتے، ان پر عطر و گلاب کا چھڑکاؤ کرتے اور بڑی فراخ دلی سے کھانا کھلا کر، ہاتھ خود دھلواتے اور بصد شکریہ تمام مہمانوں کو خود رخصت کرتے تھے۔[۴۰]

پیر سائیں روزہ دھنی توحید اور اتباع سنت پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ آپ کے نزدیک ہر تکلیف و مصیبت پر صبر و قناعت لازمی ہے کیونکہ یہ مالکِ حقیقی کی طرف سے ہوتی ہیں۔ آپ کو اپنے رازقِ حقیقی پر مکمل بھروسہ تھا۔ آپ کو اپنے تبلیغی و اصلاحی اسفار میں زرِکثیر فتوحات کی صورت میں ملتا تھا۔ تاہم آپ ان میں سے معمولی رقم اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ کر، باقی سب تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ اہلِ تصوف کے اس معروف مقولہ کے نہ صرف قائل تھے بلکہ عامل بھی تھے کہ طالب کسی چیز کی طمع نہ کرے، اگر بغیر طمع کے کچھ آ جائے تو اسے منع نہ کرے اور جب کچھ آ جائے تو اسے جمع بھی نہ کرے۔[۴۱]

اتباعِ سنت پیر سائیں روزہ دھنی کا امتیازی وصف تھا۔ آپ کے بقول اتباعِ سنت تمام امراضِ ظاہری و باطنی کا مکمل علاج ہے۔[۴۲] آپ اکثر بیان کرتے تھے کہ شریعت ہمارے لیے بمنزلہ دستار

(عمامہ)اور سر کے تاج کے ہے۔ دو جہان میں کامیابی و سرخروئی کا حصول اتباعِ سنت کے بغیر ممکن نہیں۔۴۳ آپ کے نزدیک اصل کامیابی آخرت کی ہی ہے یہ دنیا وہم و خیالِ محض ہے اس میں دل نہیں لگانا چاہیے۔۴۴

پیر سائیں روزہ دھنی اپنے صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت بھی اسی نیت سے کرتے رہے کہ وہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے واقفیت حاصل کریں اور اس پر استقامت سے عمل کریں۔ آپ کے نزدیک اس تعلیم و تربیت کا مقصدِ وحید اللہ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا اور دین و دنیا میں سرخروئی کا حصول ہے۔۴۵

پیر سائیں روزہ دھنی خود بھی متابعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اختیار کرتے اور اپنے فقراء کو بھی ترغیب دلاتے تھے۔ آپ ان سے بیان کرتے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حقیقی متابعت بہت بڑی سعادت ہے۔ تاہم اگر یہ نہ ہو سکے تو ظاہری متابعت بھی غنیمت ہے۔۴۶ پیر سائیں بظاہر معمولی نظر آنے والی سنتوں پر بھی بڑی استقامت سے عمل کرتے تھے۔ ایک روز آپ سفر میں تھے۔ راستہ میں آپ نے سید مرتضیٰ شاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اکثر اوقات اپنے صحابہ کرامؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر کیا کرتے تھے۔ اس سنت کی متابعت میں آپ نے سید مرتضیٰ شاہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تقریباً آدھے کوس تک سفر کیا۔۴۷

پیر سائیں روزہ دھنی کے ملفوظات میں باکثرت ایسے واقعات و ارشادات منقول ہیں کہ جس سے آپ کے جذبہ اتباعِ سنت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے ایک مرید کی ڈاڑھی ذرا لمبی دیکھی تو اپنے ہاتھوں سے اس کے بالوں کا زائد حصہ کاٹ کر، ڈاڑھی کو سنت کے مطابق کر دیا۔۴۸ آپ نے ایک موقع پر سخت سردی میں گھر سے باہر نکل کر قبلہ رخ بیٹھ کر صرف اس لیے وضو کیا کہ اندر بنائی جانے والی وضو کی جگہ کا رخ قبلہ کی طرف نہ تھا اور آپ ترکِ سنت نہیں کرنا چاہتے تھے۔۴۹ آپ تسبیح کو بدعت قرار دیتے تھے لیکن اس کو بائیں ہاتھ میں جبکہ سنت کے مطابق لاٹھی کو دائیں ہاتھ میں رکھنے کے قائل تھے۔۵۰ آپ سنت کی متابعت میں سادہ خوراک استعمال کرتے اور اسے تمام باتوں سے زیادہ لطیف اور اعلیٰ تصور کرتے تھے۔۵۱ پیر سائیں اپنی وفات سے چند روز پہلے عالمِ استغراق میں

رہتے تھے، ایک مرید نے آپ کے ناخن کاٹنے کے لیے سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پکڑی۔ آپ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور شہادت کی انگلی آگے کر دی تا کہ ترک سنت نہ ہو۔۵۲

پیر سائیں روزہ دھنی کی تمام دینی و اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز و محور مسجد تھی۔ آپ نے سادہ طرز زندگی کو اپنایا۔ آپ کسی کو اگر کوئی نصیحت کرتے تو پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے۔ نماز باجماعت کی خود بھی پابندی کرتے اور دوسروں، خصوصاً اپنے صاحبزادوں کو بھی پابندی کرنے کی تاکید کرتے تھے۔ آپ اکثر نمازوں کی خود امامت کرتے اور نمازِ جمعہ کے بعد، وعظ و نصیحت کا اہتمام کرتے تھے۔۵۳ *مجمع الفیوضات* کی دوسری جلد میں نمازِ تہجد اور پنج گانہ نمازوں کے بعد کے بعض اذکار و وظائف آپ سے منقول ہیں۔۵۴

پیر سائیں روزہ دھنی خود بھی اور اپنے فقراء کو بھی دنیا دار حکام و امراء کے طعام سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتے تھے۔۵۵ آپ اپنے فقراء کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے اور ایک بار تو ایک فقیر کا بچا ہوا پانی بھی پی لیا۔۵۶ ایک دفعہ آپ سفر میں تھے، چند فقراء بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے جبکہ فقراء گھوڑے کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ راستہ میں ایک نہر سے آپ کا گزر ہوا تو گھوڑے کے چلنے سے پانی کے چھینٹے فقراء کے کپڑوں پر پڑے۔ پیر سائیں نے فوراً ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ اگر کوئی ہمیں معاف نہیں کرتا تو جس قدر چھینٹے اس پر پڑے ہوں اتنے ہی وہ ہم پر بھی ڈال دے۔۵۷

پیر سائیں روزہ دھنی کے نزدیک دینی و دنیاوی طور پر ایک کامیاب مسلمان کے لیے تعلیم، تزکیہ نفس اور صحبت صالح اولیاء نہایت ضروری ہے۔ آپ نے اپنے حلقۂ اثر میں ایک اسلامی فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے لیے مسلسل اور کامیاب جدوجہد کی۔ آپ نے تمام خلافِ شریعت امور اور اخلاقی برائیوں کے خلاف جہاد کیا۔ پیر سائیں نے اپنے ہاں ایک شرعی نظامِ قضا و سزا بھی قائم کر رکھا تھا، جس کے تحت آپ نے روزمرہ زندگی کے معمولات، خصوصاً نماز با جماعت کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کے لیے مختلف سزائیں مقرر کر رکھی تھیں۔ نماز باجماعت ادا نہ کرنے والوں کو پہلے کچھ عرصہ کے لیے پانچ کوڑوں کی سزا دی جاتی رہی۔ بعد ازاں پانچ پیسہ فی نماز بطور جرمانہ و سزا وصول کیے جانے لگا۔ پھر صاحبزادہ سید صبغت اللہ شاہؒ اول (۱۷۷۰ء-۱۸۳۱ء) کے مشورہ پر، نماز با جماعت ادا

نہ کرنے والے کو ایک دن کمرے میں قید کرنے کی سزا مقرر ہوئی۔۵۸ پیر سائیں نے اس نظام قضا و سزا کو اس سختی سے نافذ کر رکھا تھا کہ اگر کوئی صاحبزادہ کسی وجہ سے نماز با جماعت کی ادائیگی سے رہ جاتا تو، آپ ان کو بھی قید کر دیتے تھے۔۵۹

پیر سائیں روزہ دھنی کوئی زاہد خشک نہ تھے۔ آپ مردوں سے مزامیر کے بغیر عارفانہ کلام سنتے تھے۔۶۰ آپ جھوٹ سے پاک جائز خوش طبعی کے بھی قائل تھے۔ *مجمع الفیوضات* کی دوسری جلد اور *ملفوظاتِ صغیر* کے صفحات پر آپ کی خوش طبعی کے کئی واقعات اور اقوال بیان ہوئے ہیں۔ آپ ایک دعوت میں موجود تھے، جہاں حریرہ میں چاول تھے۔ آپ نے اپنی جانب سے تھوڑا سا کھا کر ہاتھ کھینچ لیا۔ میزبان نے مزید کھانے کے لیے کہتے ہوئے کہا کہ یاحضرت! برتن کو چاٹ کر صاف کرنا سنت ہے۔پیر سائیں نے جواب دیا کہ بلا شبہ برتن کو چاٹ کر صاف کرنا سنت ہے مگر پیٹ کو پھاڑ ڈالنا حرام ہے۔۶۱ ایک فقیر، جس کا قد دراز تھا، کو آپ نے اذانِ عشاء کے لیے کہا۔ اس نے درمیانی آواز میں اذان کہہ دی۔ آپ نے کہا کہ میں تو سمجھا تھا کہ جتنا تیرا قد ہے، اسی کے مطابق تو بلند آواز سے اذان دے گا۔۶۲

پیر سائیں روزہ دھنی نے اتباعِ سنت کرتے ہوئے، اپنی زندگی میں ہی اپنی وصیت مرتب کرا دی تھی۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخص کی کسی بھی چیز، خصوصاً مال میں لالچ نہ رکھنا کیونکہ ہم لینے والے نہیں بلکہ عطا کرنے والے ہیں، دنیا داروں کی دوستی یا ان کی طرف میلان نہ رکھنا، بُرے لوگوں کی طرف داری نہ کرنا، عام لوگوں سے دور رہنا اور اہل بیت کی محبت کو لازمی رکھنا۔۶۳

پیر سائیں کو اپنے خاندان کی خود داری اور عزت اتنی عزیز تھی کہ آپ نے اپنے ایک عقیدت مند کو ہر فصل پر نذرانہ بھیجنے سے صرف اس لیے منع کر دیا تا کہ کہیں ان کی اولاد بھی دیگر مشائخ کی اولادوں کی طرح، نذرانہ کی طمع رکھنا شروع نہ کر دے۔۶۴

پیر سائیں روزہ دھنی زہد، تقویٰ، توکل، انکساری، سخاوت اور حسنِ خلق کی زندہ جاوید مثال تھے۔ آپ نے ساری زندگی شریعت و طریقت پر نہ صرف عمل کیا بلکہ اس کی وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت بھی کی۔ آپ کے علمی، دینی و روحانی کارناموں کا فیض آج بھی جاری ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. H.T. Lambrick, *Sind: A General Introduction* (Hyderabad: Sindhi Abadi Board, 1986), pp. 1, 3.
2. Mumtaz Husain Pathan, *Sindh: Arab Period* (Hyderabad: Sindhi Adabi Board, 1978), pp. 157-158.
3. *Ibid.*, p. 340.
4. Suhail Zaheer Lari, *A History of Sindh* (Karachi: Oxford University Press, 1994), pp. 37-39.

۵- شیخ محمد اکرام، *آبِ کوثر* (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۱ء)، ص ۲۹۳۔

۶- محمد خالد مسعود (مرتب)، *اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما*، (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۸ء)، ص ص ۱۵، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۲۳۔

۷- *آبِ کوثر*، ص ص ۱۲۵-۱۲۶۔

8. Muhammad Umar, *Islam in Northern India During the Eighteenth Century* (New Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers Pvt. Ltd., 1993), p. 447.

۹- قاضی جاوید، *ہندی مسلم تہذیب* (لاہور: وین گارڈ بکس لمیٹڈ، ۱۹۸۳ء)، ص ص ۲۹۳، ۳۰۷۔

۱۰- میاں عبدالغنی بھیک، *سرزمین سندھ پر مشترکہ ملکیت و محنت کا تجربہ* (شھداد پور: قاضی قاضن ادبی سنگت، ۱۹۸۵ء) ص ۹۔

۱۱- *ہندی مسلم تہذیب*، ص ص ۳۰۱-۳۰۲۔

۱۲- اعجاز الحق قدوسی، *تاریخ سندھ* (جلد دوم)، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۴ء)، ص ص ۱۲۵، ۴۷۵۔

13. *A History of Sindh*, p. 162.

۱۴- سید زین العابدین شاہ راشدی، *آفتابِ ولایت* (کراچی: ادارۂ پیغام رضا پاکستان، ۲۰۰۴ء)، ص ص ۱۲، ۱۵۔

۱۵- ایضاً، ص ص ۵۰، ۵۲۔

۱۶- سید محمد زین العابدین شاہ راشدی، *انوار علمائے اہلسنت سندھ* (لاہور: زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۶ء)، ص ۳۱۷۔ پیر سائیں روزہ دھنی کے مرید کو فقیر کہنے کی وضاحت، آپ نے یوں کی کہ 'ف' سے مراد فاقہ کرنا، 'ق' سے مراد قیامِ شب، 'ی' سے مراد یقین اور 'ر' سے مراد رحمتِ الٰہی کی امید رکھنے والا۔ شاہنواز نظامانی (مرتب)، *پیر صاحب پاگارہ: حقیقی سیاست کے امین (انٹرویوز: ۱۹۷۳ء سے ۲۰۱۱ء تک)*، (سانگھڑ: حر ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۳۔

۱۷- *انوار علمائے اہلسنت سندھ*، ص ۷۳۵۔

۱۸- سید محمد راشد روضي ڌڻي، *مجمع الفيوضات يعني ملفوظات شريف* (جلد پھريون)، سھيڙيندڙ، خليفو فقير محمود نظاماڻي، سنڌيڪار، مفتي محمد قاسم مشوري (پير جوگوٺ: سِڪندريہَ پبلي ڪيشنز، ۲۰۱۱ء) اور سید محمد راشد روضی ڌڻي، *مجمع الفيوضات يعني ملفوظات شريف* (جلد ٻيون)، سھيڙيندڙ، خليفو فقير محمود نظاماڻي، سنڌيڪار، مفتي در محمد سڪندري (پير جوگوٺ: سکندریہ پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)۔

۱۹- سید محمد راشد روزہ دھنی، *مخزنِ فیضان: ملفوظات شریف (اردو)*، مترجم، ابوالحسان محمد رمضان علی قادری (پیر جو گوٹھ: جامعہ راشدیہ، ۲۰۱۳ء)
۲۰- محمد اسلم، *ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت* (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، ۱۹۹۵ء)،ص ۲۰۔
۲۱- *مخزنِ فیضان*، ص ص ۲۶۹-۲۷۰۔
۲۲- ایضاً، ص ص ۷۳،۱۶۱۔
۲۳- ایضاً، ص ۸۳۔
۲۴- ایضاً، ص ۲۳۱۔
۲۵- ایضاً، ص ۱۱۹۔
۲۶- ایضاً، ص ص ۱۲۰-۱۲۲۔
۲۷- ایضاً، ص ۱۰۳۔
۲۸- ایضاً، ص ص ۱۰۲، ۱۰۴۔
۲۹- *مجمع الفیوضات* (جلد ٻیون)، ص ۲۹۸۔
۳۰- *مخزنِ فیضان*، ص ص ۱۵۴-۱۵۷۔
۳۱- ایضاً، ص ۱۳۹۔
۳۲- ایضاً، ص ص ۱۴۴-۱۵۱۔
۳۳- *مجمع الفیوضات* (جلد ٻیون)، ص ۲۰۴۔
۳۴- *مخزنِ فیضان*، ص ۱۶۲۔
۳۵- ایضاً، ص ۱۲۸۔
۳۶- ایضاً، ص ۸۱۔
۳۷- ایضاً، ص ۴۴۔
۳۸- ایضاً، ص ۲۶۴۔
۳۹- *مجمع الفیوضات* (جلد ٻیون)، ص ص ۴۷۷-۴۸۸۔
۴۰- *مخزنِ فیضان*، ص ۳۶۲۔
۴۱- ایضاً، ص ص ۱۷۸، ۲۱۶، ۳۲۰۔
۴۲- ایضاً، ص ۲۵۴۔
۴۳- *آفتابِ ولایت*، ص ص ۵۷-۵۹۔
۴۴- *مخزنِ فیضان*، ص ۳۷۔
۴۵- ایضاً، ص ص ۱۱۵،۲۶۱۔
۴۶- ایضاً، ص ص ۲۵۱-۲۵۲۔
۴۷- صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر، *سندھ کے صوفیائے نقشبند* (حصہ دوئم)، (حیدرآباد: رکن الاسلام پبلیکیشنز،۱۹۹۷ء)، ص ۵۲۱۔
۴۸- *مخزنِ فیضان*، ص ۲۵۳۔
۴۹- ایضاً، ص ۲۵۵۔
۵۰- ایضاً، ص ۲۵۷۔

۵۱- ایضاً، ص ۲۶۶۔
۵۲- عبدالحق ظفر چشتی، ''صاحب رشد، سید محمد راشد روزہ دھنی''، ماھوار *الراشد* (پیر سائین جو گوٹ)، جون ۲۰۱۳ء، ص ۴۶۔
۵۳- *آفتاب ولایت*، ص ۳۹۔
۵۴- *مجمع الفیوضات*، (جلد بیون)، ص ص ۳۰۶-۳۰۸۔
۵۵- *مخزنِ فیضان*، ص ۱۷۷۔
۵۶- ایضاً، ص ص ۳۲۴-۳۲۵۔
۵۷- ایضاً، ص ص ۳۱۲-۳۱۳۔
۵۸- *مجمع الفیوضات*، (جلد پھریون)، ص ۴۴۔
۵۹- ایضاً، ص ۲۹۴۔
۶۰- *مخزنِ فیضان*، ص ۲۶۲۔
۶۱- ایضاً، ص ص ۳۳۳- ۳۳۴۔
۶۲- ایضاً، ص ۳۳۴۔
۶۳- *مجمع الفیوضات* (جلد پھریون)، ص ۴۰۳۔
۶۴- *مخزنِ فیضان*، ص ۱۸۲۔